L. No. 2186/57 | Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 4/-
Per Copy -/10 P

جلد ۲۵ - شمارہ ۴۴ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۲۲ نومبر ۱۹۶۶ء

اداریہ

جواہر لال نہرو کی یاد میں

(۳)

امور خارجہ کے متعلق کراکر کی رائے کی اہمیت ہے۔ وہ درست کہتا ہے کہ باوجود امور خارجہ سے گہری واقفیت کے وزیر اعظم کو خود ہی امور خارجہ کا وزیر نہ ہونا چاہیے تھا۔ اول تو وزیر اعظم کو مجموعی طور پر تمام باتوں کا اور خصوصاً اندرونی مسائل کا لحاظ زیادہ رکھنا پڑتا ہے اور امور خارجہ بھی جاری توجہ چاہتے ہیں، دوسرے چوں کہ نہرو براہ راست ہر بات کو نہیں سمجھ سکتے تھے اس لیے فارن سروس اتنی چوکس اور چست و چالاک نہ ہو سکی جتنی کہ ہونی چاہیے تھی۔ اپنے پیشے میں صلاحیت پیدا کرنے کے لیے جس تربیت کی ضرورت تھی وہ ہمارے سفارت خانے چلانے والوں کو نہ مل سکی۔ دلی کو سفارت خانے زیادہ تر ایسی رپورٹیں بھیجتے تھے جو وزیر اعظم کو خوش کر سکیں۔ ان میں کڑوی مگر سچی باتوں کا تذکرہ کم ہوتا تھا۔ پھر کرشنا مینن کو جو اہمیت حاصل ہو گئی تھی اس کی وجہ سے بھی فارن سروس پر اثر پڑا۔ پھر نہرو نے امور خارجہ میں جو دلچسپی لی اس کی وجہ سے پارٹی کے دوسرے ممبروں کو بین الاقوامی مسائل کے معاملے میں دلچسپی لینے اور ان پر عبور حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جس زمانے میں سرد جنگ کا زور تھا نہرو کی تقریروں سے کسی بڑے تصادم کا امکان کم ہوا۔ نہرو ناوابستگی کے حامی تھے۔ یہ مکمل ناوابستگی نہ تھی۔ اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ ہندوستان، امریکہ اور روس دونوں طاقتور بلاکوں سے وابستہ نہ ہو۔ اس نظریے کی صحت میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔ نہرو کا یہ خیال بھی درست تھا کہ روس سے بگاڑ کسی طرح ہندوستان کے لیے مناسب نہیں اور امریکہ کے ساتھ کسی بلاک میں شامل ہو جانے کا یہی مطلب ہوتا۔ ہاں چین کے حملے نے ناوابستگی کی اس پالیسی پر ضرب لگائی اور ہندوستان میں بھی اس پر اعتراضات ہوئے کیوں کہ روس نے اتنی ہی مدد کی کہ وہ ہندوستان کا دوست رہا مگر امریکہ اور انگلستان نے اس موقع پر خاصی بڑی توجہ دی تھی۔

سے دریغ نہ کیا۔ گو اس میں شک نہیں کہ اس میں ہندوستان کی مدد کے علاوہ ان طاقتوں کے سامنے اپنے مفاد کی حفاظت اور چین کے خطرے کا مقابلہ بھی تھا۔ چین کے معاملے میں جواہر لال نہرو کی غلطی یہی معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے چین پر ضرورت سے زیادہ اعتبار کیا اور اس کی سیاست اور اس سیاست کے فطری تقاضوں کو پوری طرح نہیں سمجھا۔

جہاں تک پاکستان سے تعلقات کا سوال ہے نہرو اپنے کچھ ہمدردوں کے کہنے کے باوجود پاکستان سے اچھے تعلقات رکھنے بلکہ ایک ہمدردانہ اور فیاضانہ رویہ رکھنے کے حامی تھے۔ وہ ہندوستان کی مسلم اقلیت کے حامی رہے۔ انھوں نے عربوں سے تعلقات کی وجہ سے اسرائیل سے سفارت خانوں کا تبادلہ نہیں کیا۔ ہاں کشمیر کے معاملے میں نہرو کا رویہ اکثر کے نزدیک اتنی آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا۔ کراکر نے کشمیر کے معاملے میں اس بات پر زور دیا ہے کہ نہرو رائے شماری نہیں چاہتے تھے گو وہ اس کا وعدہ کر چکے تھے۔ کراکر یہ بات بھول جاتے ہیں کہ یہ وعدہ جن حالات میں کیا گیا تھا وہ بدل چکے ہیں اور پاکستان نے جس طرح گزشتہ سال وہاں مسلح مداخلت کار بھیج کر گڑبڑ پھیلانی چاہی اور پھر جس طرح جنگ کے ذریعے اس معاملے کو طے کرنا چاہا، اس کے بعد یہ مسئلہ اتنا سیدھا سادا نہیں رہا۔ وہ یہ بھی نظر انداز کر جاتے ہیں کہ کشمیر کا معاملہ کشمیریوں اور ہندوستان کا ہے، پاکستان سے اس کا تعلق بے معنی ہے کیوں کہ ہندوستان صرف مذہبی نقطۂ نظر سے ان معاملات کو طے کرنے کی پالیسی کے قطعی خلاف ہے۔ بہرحال کشمیر کے معاملے میں کراکر نے اسی ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے جو عام طور پر مغربی مدبر کرتے ہیں۔ وہ پاکستان کے اس لیے حامی بن جاتے ہیں کہ وہ چھوٹا ملک ہے اور ہندوستان سے اس لیے فیاضی کی توقع کرتے ہیں کہ وہ بہت بڑا ملک ہے۔ فیاضی اپنی جگہ اچھی چیز سہی، مگر قومی مفاد کو بہرحال پہلے ملحوظ رکھنا ہمیشہ ضروری ہوتا ہے لیکن نہرو کی عظمت کی دلیل یہ ہے کہ وہ آخر وقت تک ہندوستان کے اصولوں اور اس کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے پاکستان سے اچھے تعلقات رکھنے اور کشمیر کے مسئلے کا کوئی ایسا باعزت حل نکالنے کے لیے آمادہ رہے جو سب کے لیے قابل قبول ہو۔

چین اور پاکستان کے علاوہ نو آبادیت، کامن ویلتھ، سرد جنگ، یو این او کے متعلق بھی کراکر نے نہرو کے خیالات کا تجزیہ کیا ہے۔

ان معاملات میں وہ ہندوستان کے مفاد کو مدِنظر نہیں رکھ سکا، ایک مغربی مدبر کے نقطۂ نظر سے لکھتا ہے۔ لیکن گوا کے سلسلے میں تو اس نے صاف صاف نہرو کے قول اور عمل کے فرق پر زور دیا ہے۔ کراکر یہ بھول جاتا ہے کہ تیرہ برس تک نہرو نے کوئی قدم نہیں اٹھایا اور جب انھیں یقین ہو گیا کہ گوا کو ہندوستان کے خلاف ایک اڈے کی طرح استعمال کیا جا سکتا ہے تو انھوں نے مجبوراً ضروری کارروائی کی۔ انگریزوں اور فرانس کے مقبوضات ختم ہو جانے کے بعد بھی پرتگال کے استعمار کی نشانی کا باقی رہ جانا کسی طرح جائز نہ تھا۔ ہاں یہ مسئلہ پُرامن طریقے سے طے ہو جاتا تو بہتر تھا، مگر پرتگالیوں کی ضد نے یہ توقع بالکل ختم کر دی تھی۔

ظاہر ہے کہ چین کے حملے نے نہرو کی کمر توڑ دی۔ کراکر لکھتا ہے کہ گوا کے بعد نہرو چلتے تھے تو کھوئے کھوئے سے معلوم ہوتے تھے مگر چین کے حملے کے بعد وہ مضبوط قدم سے چل ہی نہ سکے۔" یہ بات صحیح ہے چین کے حملے نے اس اعتماد کو ٹھیس پہنچائی جو نہرو کو ایشیائی ممالک خصوصاً سوشلسٹ ممالک پر تھا۔ لیکن نہرو نے اس خطرے کا بھی پامردی اور بہادری سے مقابلہ کیا۔ خطرہ نے اس مردِ مجاہد کو بوکھلایا نہیں۔ وہ نہایت مستعدی سے ان کا مقابلہ کرنے میں لگ گیا۔

کراکر نے شخص کی حیثیت سے نہرو کی بڑی تعریف کی ہے گو مدبر کی حیثیت سے وہ ان کی بعض خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے ان پر کڑی نکتہ چینی بھی کرتا ہے۔ ان کی شخصیت کے جمالیاتی پہلو، ان کی تندرستی، ان کی ذہنی چستی، ان کی بے جگری، ان کی تنہائی، مذہب کے متعلق ان کا نقطۂ نظر، اچھے انسان کے تصور پر زور۔ ان سب کی کراکر نے نشان دہی کی ہے۔ انھوں نے ابراہام لنکن سے نہرو کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جتنی جتنی ان کی طاقت بڑھتی گئی اتنی ہی بھلائی کی لوگوں سے ہمدردی۔ وہ طاقت چاہتے تھے مگر اپنے لیے نہیں، ایک مقصد کو پورا کرنے کے لیے۔ وہ ہندوستان کے مفاد اور انسانیت کے مفاد کو ہر حال میں ملحوظ رکھتے تھے۔ ان کے حکمراں کے رول پر اختلاف ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بعض وجوہ سے بہتر حکمراں ہوتے اگر ان کے ذہن میں تصویر کا دوسرا رخ فوراً آ جاتا تھا اور اس سبب سے بعض اوقات فیصلہ کرنے میں دیر لگا دیتے تھے۔ عملی آدمی بعض اوقات مسائل کا دو ٹوک فیصلہ کر دیتے ہیں جو ہمیشہ منصفانہ نہیں ہوتا، مگر اس سے ایک چیز طے تو ہو جاتی ہے۔ نہرو کی انصاف پسندی بعض اوقات انھیں جرنیل اور منتظم کی طرح دو ٹوک فیصلوں سے باز رکھتی تھی۔ یہاں مزاج کے فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے، مدبر اور قائد کے لیے بھی ضرورت نہیں ہے۔

کراکر کا کہنا ہے کہ نہرو کی حکومت کے نقش ہندوستان پر رہیں گے، لیکن اتنے نہیں جتنے متوقع تھے۔ مستقبل میں اس بات کے واضح ہونے کا امکان ہے کہ نہرو کی پالیسی کی جڑیں گہری نہ ہو سکیں۔ اب نہرو کی طرح کوئی حکمراں نہ ہوگا۔ نہرو نے تعمیر بھی کی اور تخریب بھی۔ لیکن کراکر نے راج گوپال آچاریہ کا جو اقتباس دیا ہے وہ بھی دلچسپ ہے:

"گیارہ سال مجھ سے چھوٹے، گیارہ گنا زیادہ اہم، گیارہ گنا زیادہ قوم کے محبوب۔ میں نہرو سے ان دس سالوں میں برابر لڑتا رہا ہوں کیوں کہ ان کے سیاسی رول میں مجھے خرابیاں نظر آتی تھیں۔ لیکن یہ میرا برابر خیال رہا ہے کہ صرف وہی ان خرابیوں کو دور کر سکتے تھے۔"

اور اس وجہ سے کراکر کی یہ رائے بھی قابلِ توجہ ہے۔

"نہرو نے اپنے سپرد جو کام تجویز کیے وہ ایک دیو کے کام تھے۔ کوئی حکمراں اتنا بوجھ لے کر بغیر لڑکھڑائے نہیں چل سکتا تھا۔ یہ بات اہم نہیں کہ نہرو کو ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اہم یہ ہے کہ وہ گر نہیں پڑے۔ اور انھیں کچھ کامیابی بھی حاصل ہوئی۔"

ہمارا خیال یہ ہے کہ کراکر نے نہرو کی کامیابی کو پوری طرح سمجھا نہیں۔ کامیابی تمام مسائل کے حل ہو جانے میں نہیں ہوتی۔ مسائل کے سمجھنے اور ان کے حل کی طرف قدم بڑھانے میں بھی ہوتی ہے۔ نہرو کی نظر منزل پر بھی تھی، ان کا راستہ صحیح تھا، ان کے پاس زادِ راہ بھی تھا، مگر ان کے ساتھی اپنی تاریخ، نفسیات اور ہندوستانی فضا کے پروردہ میلانات کی بنا پر ایک جزء جہاد کو اپنی ذاتی مہم بنانے میں مصروف تھے۔ ہمارے لیے اور ملک کے لیے نہرو کا راستہ ہی صحیح راستہ ہے۔ ان کے جدید نظر، سماجی فلاح، عقلیت، جمہوریت، سیکولرزم، صنعتی میلان، سوشلزم کی سمت اور قلب و دماغ کی طہارت اور پاکیزگی لے کر ہم اب بھی اپنے وطن کو اس دور کی مشکلات سے نکال سکتے ہیں اور ترقی کے بام پر پہنچا سکتے ہیں۔ ہاں اس کے لیے شخصیتوں سے وفاداری چھوڑ کر اور گروہ بندی، پست ہمتی اور مطلب پرستی سے منھ موڑ کر ان بلند مقاصد پر نظر جمانا ہوگی جو گاندھی اور نہرو کی دین ہیں۔

(ختم شد)

اخبار مدینہ کے مالک مولوی محمد مجید حسن رحلت فرما گئے

ہندوستان کے مشہور سہ روزہ اردو اخبار مدینہ کے مالک مولوی محمد مجید حسن صاحب ایک طویل علالت کے بعد ۱۱ر نومبر بروز جمعہ صبح آٹھ بجے اس حیاتِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ مولوی صاحب پر گزشتہ سال فالج کا حملہ ہوا تھا، اس کے بعد وہ مختلف امراض میں مبتلا رہے اور بالآخر ان کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا۔ مرحوم ایک دیندار پابندِ صوم و صلوٰۃ صاحبِ خیر اور وضعدار بزرگ تھے۔ ہندوستان کی جنگِ آزادی میں انھوں نے اپنے اخبار مدینہ کے ذریعہ جو قابلِ قدر رول ادا کیا ہے وہ ہندوستان کی جنگِ آزادی کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ آپ نے ۱۹۱۲ء میں یہ اخبار جاری کیا تھا اور اس وقت سے برابر تمام تحریکات میں حصہ لیا اور بیشمار مصائب برداشت کیے۔ کئی بار اخبار کی ضمانت ضبط ہوئی۔ بجنور میونسپل بورڈ کے چیرمین بھی رہے۔ وفات کے وقت موصوف کی عمر تقریباً ۸۵ برس تھی۔ ادارہ ہماری زبان ان کے صاحبزادے جناب سعید اختر مدیر مدینہ بجنور اور ان کے دوسرے پسماندگان سے اظہارِ ہمدردی کرتا ہے۔

محمد ابراہیم ایم۔اے

مولانا شاہ ابوالحسن ادیب

۵ جنوری ۴۸ء کو شہر میسور میں انجمن اتحاد اسلام کے ہال میں ایک شاندار مشاعرہ ہوا میں بھی اپنے ایک رشتہ دار بھائی کے ساتھ اس میں شریک تھا۔ سارا ہال سامعین اور شعراء سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مشاعرے میں جب مختلف شعراء اپنی اپنی غزلیں سنا چکے تو آخر میں صدر مشاعرہ نے کہا اب مولانا شاہ ابوالحسن صاحب ادیب اپنی غزل سنائیں گے۔ اس جملے کے اختتام کے ساتھ ہی ایک صاحب اپنی جگہ سے اٹھے آگے بڑھے اور اپنی غزل سنانے سے پہلے مصرعہ طرح پر سخت تنقید کر ڈالی منتظمین مشاعرہ اور صدر مشاعرہ کو بھی اپنی تنقید کی لپیٹ میں لے لیا اور فرمایا "افسوس اب میسور قابل لوگوں سے خالی ہوتا جا رہا ہے"

اگرچہ مولانا کی یہ تنقید بانیان مشاعرہ کو نہایت ہی ناگوار گزری مگر ہر شخص مولانا کی شخصیت سے کچھ ایسا مرعوب تھا کہ اشارۃً کنایۃً بھی کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ اس کے بعد مولانا نے اپنی غزل سنائی۔ اس وقت مجھے نہ حضرت ادیب کا کلام سمجھنے کی قابلیت تھی نہ اس سے لطف اندوز ہونے کی سکت۔ میں نے اس وقت بھی اتنا سمجھا کہ علم و فضل کے اعتبار سے یہ کوئی بہت بڑے آدمی ہیں۔ پھر میں نے مولانا کو کبھی نہیں دیکھا۔ ۶ ستمبر ۱۹۶۰ء کو ریاست میسور کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ مولانا شاہ ابوالحسن ادیب کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت ایک اردو اخبار "تنظیم" کے اداریے میں مدیر نے لکھا تھا "افسوس آج ایسے شخص کا انتقال ہوا ہے جو ریاست کا سب سے بڑا عالم، شاعر اور ادیب تھا" مولانا کے مختصر حالات لکھ کر مدیر نے یہ بھی لکھا تھا کہ "آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے میسور کے اردو داں طبقے میں صحیح اردو بولنے کا شعور پیدا کیا"

مدیر تنظیم کے اس مختصر تعارف نے مجھ میں مولانا ادیب کے متعلق زیادہ جاننے کا اشتیاق پیدا کیا۔ حضرت ادیب ان بدقسمت شعراء میں سے ہیں جن کی حیات و شاعری پر اب تک کسی نے توجہ ہی نہیں دی۔ مجھے خیال ہوا کہ حضرت ادیب کے بارے میں معلومات حاصل کروں اور کچھ لکھوں اسی خیال سے میں ان کے فرزند جناب سراج الحسن سراج ادیبی صاحب ایم۔اے لکچرار مہاراجہ کالج میسور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جناب محترم نے اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے میرے سوالات کا خاطر خواہ جواب تو نہیں دیا البتہ حضرت ادیب کی بعض تصانیف اور ان کے متعلق مختلف حضرات کے مضامین عنایت فرمائے جن کی روشنی میں میں نے یہ مضمون قلمبند کیا ہے مگر پھر بھی اس مضمون میں آپ کی حیات کے کئی نقوش نہ ابھر سکے۔

مولانا شاہ ابوالحسن ادیب ۴ دسمبر ۱۸۸۶ء کو بمقام سڈلگھٹہ تعلقہ کولار میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت شاہ شریف الحکم صاحب بڑے عالم اور پابند صوم و صلوٰۃ بزرگ تھے چنانچہ ان کی تصنیف کردہ دو کتابیں "رسول مقبول" اور "ستارۂ صبح" کے قلمی نسخے آج بھی جناب سراج ادیبی صاحب کے پاس موجود ہیں۔ حضرت ادیب کے چند مضامین سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے آباء و اجداد شاہان بیجاپور کے عہد حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر مامور تھے اور زوال سلطنت کے بعد ہجرت کر کے یہاں آ گئے چنانچہ اپنی ایک منظوم تصنیف کے دیباچہ میں حضرت ادیب نے لکھا ہے

مرے اسلاف جو عالی ہمم تھے   وہ سارے صاحب سیف و قلم تھے

آپ نے میسور میں ہائر سکنڈری اور مولوی کے امتحانات پاس کئے اور ۱۹۰۴ء میں مولانا نے محکمۂ تعلیم میں ملازمت کر لی۔ ایک مدت تک مختلف مدارس میں کام کرتے رہے ۱۹۲۴ء (۱۹۲۲ء) میں حکومت میسور نے اعلیٰ تعلیم کے لیے پنجاب بھیجا۔ چار سال تک اورینٹل کالج لاہور میں زیر تعلیم رہے۔ اسی اثنا میں مولانا نے منشی فاضل، ادیب فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات میں شاندار کامیابی حاصل کی اور خاص کر مولوی فاضل کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اول آئے جس کے صلے میں یونیورسٹی نے آپ کو ایک سونے کا تمغہ عطا کیا اور تحقیقی کام (RESEARCH WORK) کے لیے یونیورسٹی آپ کو وظیفہ بھی دینا چاہتی تھی مگر مولانا نے وہاں ٹھہرنا پسند نہیں کیا اور میسور چلے آئے ۱۹۲۶ء میں لاہور سے واپسی پر آپ گورنمنٹ کالج میسور میں عربی اور فارسی کا مدرس اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ تقریباً سولہ سترہ سال تک آپ مولوی اور منشی کی جماعتوں کو پڑھاتے رہے۔ کچھ عرصے تک مہاراجہ کالج میسور میں بھی بی۔اے آنرز کی جماعتوں کو فارسی اور اردو کی تعلیم دیتے رہے اور ۱۹۴۲ء میں اپنے عہدے سے سبکدوش ہو کر سڈلگھٹہ چلے گئے اور آخر وقت تک وہیں مقیم رہے۔

آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے میسور کے اردو داں طبقے کو صحیح اردو لکھنے پڑھنے اور بولنے کی طرف توجہ دلائی اور اس تحریک کو عام کرنے کے لیے کئی مفید کتابیں لکھیں، چنانچہ "جوہر اردو" نامی ایک چھوٹا سا رسالہ ۱۹۰۸ء میں شائع کیا جس میں علامت فاعل "نے" کے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے۔ بعد میں اسی غرض کو پیش نظر رکھ کر "سراج القواعد" "مسلم القواعد" اور "قواعد اردو" وغیرہ تصنیف فرمائیں۔ مولانا برسہا برس تک محکمۂ تعلیم میں ٹکسٹ بک کمیٹی کے رکن رہے اور میسور یونیورسٹی بورڈ آف اسٹڈیز کے ممبر رہے اور مختلف امتحانوں کے ممتحن بھی رہے۔ میسور میں صدی کے آغاز تک دکن کے اردو مدارس میں وہی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں جو شمالی ہند والوں کی لکھی ہوئی ہوتی تھیں۔ دکن والوں نے شاید یہ سمجھ لیا تھا کہ ان میں درسی کتابیں تالیف کرنے کی اہلیت نہیں ہے مگر حضرت ادیب نے اس احساس کمتری کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور اپنی ہی لکھی ہوئی کتابیں سرکاری مدارس کے نصاب میں داخل کروائیں اور اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔

مولانا ادیب کو اردو فارسی اور عربی کے ہزاروں شعر یاد تھے۔ آپ کا غیر معمولی حافظہ تھا۔ جب کبھی ان کے سامنے اردو کا کوئی شعر پڑھا جاتا تو فارسی یا عربی کا کوئی ہم معنی شعر فوراً سنا دیتے تھے۔ حضرت ادیب ادیب بھی تھے اور شاعر بھی، نقاد بھی تھے اور محقق بھی، مورخ بھی تھے اور معلم بھی۔ ساری عمر تصنیف و تالیف اور تحقیق و تنقید میں گزاری ادبی حلقے میں کوئی ان کا جواب نہیں رکھتے تھے ان کے لیے شعر کہنا اتنا ہی آسان تھا

حصہ کو نثر لکھتا۔ ان کو فارسی، عربی اور اردو پر یکساں دسترس حاصل تھی۔ آپ نے فارسی میں بعض ایسے شاندار قصیدے لکھے ہیں جن کے مطالعے سے قاآنی اور عرفی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ان کے تبحر علمی، بلندیٔ فکر اور قدرتِ کلام کی داد دینی پڑتی ہے۔

آپ میسور یا منگلور میں کوئی بڑا مشاعرہ ہوتا تو شرکت کرتے، اپنا کلام سناتے دوسروں کا کلام سن کر داد دیتے اور خاص کر نوجوان شعراء کی بہت ہمت افزائی کرتے۔ مولانا نے سیکڑوں اردو فارسی غزلیں کہیں مگر آپ کے لاابالی پن کی وجہ سے آپ کا کلام محفوظ نہ رہ سکا تاہم آپ کے بعض اشعار ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں جن سے بآسانی ان کے کلام کی خصوصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ؎

بڑی ہی بزدلی ہے واقعی مرنے سے ڈر جانا ۔ جفائے دوستی کی منزلِ اولیٰ ہے مر جانا

غلامانہ حیاتِ زندگی کا حاصل یہ ہے ۔ مصیبت جھیلتے رہنا اجل آئی تو مر جانا

گرد وہ صحرا میں تھا اور مجھ میں صحرا گرد ہے
وحشتِ مجنوں ہو کیوں کر میری وحشت کا جواب

ہے وہ اک تیری بے رخی کا نام ۔ جس کو کہتے ہیں گردشِ ایام

تو نے کی جس پر نظر مارا اسے ۔ تیرا جادو چشمِ جادو گر کھلا

اس کی ہر اک بات دلکش کیوں نہ ہو ۔ ہر ادا جس کی ہے اک نشتر کھلا
کیوں نہ ہو اہلِ نظر کی آنکھ میں ۔ ہر گلِ تر اک پری کا پیکر کھلا

نہ ہرگز سمجھ آپ کو مورِ عاجز ۔ سلیماں ہے تو شہنشاہیاں کر

تیرے قہر و عتاب کی شکلیں ۔ بجلیاں کیا ہیں صاعقہ کیا ہے

زمانے میں ضرب المثل بن گئی کیوں ۔ مری جاں نثاری تری دلربائی

تڑپ یوں کہ اڑ جائیں پرزے قفس کے ۔ اے بلبل اسی میں ہے تیری رہائی

تغزل میں تخیل میں فصاحت میں بلاغت میں
تمنا ہے کہ رشکِ [illegible] کلام ہو جائے

مرا نکلا نہ ارماں بہت ہی [illegible] ۔ ان کو سب اشیا نذر کیا چاہیں

آنکھوں میں اشک دل میں [illegible]
کس درد سے جبیں پشیماں ہے آج کل

مولانا ادیب کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو ہمیشہ اس دنیا میں اپنی شہرت سے بے نیاز رہے۔ انھوں نے کبھی اپنی قابلیت کا پروپگنڈا نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ ان کی شہرت آج صرف صوبۂ میسور میں محدود ہو کر رہ گئی ہے مگر قابل لوگ جانتے ہیں کہ ادب میں آپ کا کیا پایہ تھا۔

مولانا کے پاس اردو فارسی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ کتابیں بڑے شوق سے جمع کرتے، ہر مہینے دو چار کتابیں ضرور خریدتے اور قدیم کتابوں کو نہایت عزیز رکھتے تھے۔ مولانا نے چھوٹی بڑی تقریباً ڈیڑھ سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں بعض کتابیں بہت ہی اہم ہیں اور جب تک اردو زبان زندہ ہے یہ کتابیں نہایت ذوق شوق سے پڑھی جائیں گی چنانچہ جواہر البلاغت، غازیٔ اعظم ٹیپو سلطان، عقائد ادیب، قواعد اردو اپنے فن کی بہترین کتابیں ہیں۔ فارسی نظم میں بھی آپ نے بعض کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں جیسے نوائی سرشتہ، دریائے نور، ہوش تازہ آپ نے بطرز شاہنامہ فردوسی علیہ الرحمۃ ایک کتاب "راج نامہ" نامی لکھی ہے آپ نے سعدی شیرازی کی کتاب "کریما" کے طرز پر بھی ایک کتاب "پند نامۂ ادیب" لکھی ہے ایک فارسی قصیدہ بھی لکھا ہے۔

یہ قصیدہ آپ نے ۱۹۳۴ء میں لکھا تھا (بمدح حضور مہاراجہ سری کرشنا راج وڈیر بہادر جی سی ایس آئی جی بی ای خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ)

آپ نے حکومت کے ایما سے بعض کنڑا کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا تھا جیسے تاریخ ہند، جغرافیہ عالم وغیرہ جس کے صلے میں آپ کو کافی معاوضہ بھی دیا گیا۔

مولانا کے متعلق آج بھی یہ مشہور ہے کہ جب تک وہ ٹریننگ کالج میں رہے مختلف کالجوں کے اساتذہ اپنی مشکلات انھیں سے حل کرواتے۔ اردو فارسی اور عربی زبان و بیان یا قواعد کے سلسلے میں جو بھی بات مولانا کے قلم یا زبان سے نکل جاتی وہ سند تصور کی جاتی۔ مولوی محمد خاں صاحب سابق لکچرر مہاراجہ کالج میسور نے اپنے ایک مضمون میں جو کئی سال پہلے لکھا گیا تھا لکھا ہے۔

"زوالِ سلطنتِ خداداد کے بعد جتنے شعراء اور ادباء دکن کی سرزمین سے اٹھے ہیں علم و فضل کے لحاظ سے ان سب پر آپ کو برتری حاصل ہے۔"

مولانا ادیب کے متعلق حضرت مولوی محمد خاں کی رائے نہایت غیر جانبدارانہ، صائب، درست اور حقیقت پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔

ہماری زبان کو مضامین و مراسلات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔

ساحل!

حسن فیاض

پاس اُفق ہے، پاس ہی چندا
پاس ہی لہروں کی آوازیں
مدھم، اونچی آوازوں سے
ذہن کے گوشوں میں کچھ لمحے
اک نغمہ سا جاگ اٹھتا ہے
دور تلک پگھلا ہے سونا
فطرت کی البیلی دلہن
گھونگھٹ کھولے دیکھ رہی ہے

چلتی ہیں سرمست ہوائیں
نکھرا نکھرا دل کا آنگن
جیون رس پل پل گھلتا ہے
انجانی مستی چھائی ہے
دور تلک وہ خاموشی ہے
جیسے وقت کی ناؤ رکی ہے

انتظار

قیصر سرور جگر دہلوی

انتظار صبح نو ہے
کون سوئے کیسے سوئے
اس طرف کروٹ بدل کر، اس طرف کروٹ بدل کر
سوچتا ہوں یہ اندھیرے دور ہوں گے
دھیرے دھیرے
صبح نو آئے گی میری زندگی میں
روشنی کا راج ہوگا
روشنی کا..........
جانے کیوں یہ رات لمبی اور لمبی ہو رہی ہے
تیرگی گھٹتی نہیں ہے اور بڑھتی جا رہی ہے
انتظار صبح نو کب تک کروں گا؟
اور یوں بیکار میں لیٹا رہوں گا؟؟
کیوں نہ اٹھوں اور اٹھ کر
کم سے کم بجلی جلاؤں
یہ اندھیرے کچھ تو ہٹ جائیں گے میرے سامنے سے
صبح ہونا ہے تو ہوگی
انتظار صبح قریب ہے......

۱۹۶۶ء کے لیے سوویت لینڈ نہرو انعامات کا اعلان

کرشن چندر کو آٹھ ہزار روپیہ کا انعام

نئی دہلی ۱۴ نومبر۔ سوویت لینڈ نہرو انعام کمیٹی نے، جو ہند سوویت دوستی کو مضبوط بنانے کے فنڈ کا انتظام کرتی ہے کل ۱۹۶۶ء کے انعام پانے والوں کی فہرست شائع کر دی ہے۔ ہندوستان کے ممتاز ادیبوں اور صحافیوں کی طرف سے پیش کردہ ۳۰۰۰ تخلیقات میں سے یہ انتخاب کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بچوں کے سوالات کے مقابلے میں بھی ۶۰۰۰ سے زائد بچوں نے حصہ لیا۔

انعام پانے والوں کی فہرست حسب ذیل ہیں۔

ادبی انعامات (۸۰۰۰ روپے)

۱۔ شری سری سری کو تلگو نظم "کا ڈو کا شرشتی" (ایک طوار کی تخلیق) کے لیے۔

۲۔ ڈاکٹر ایچ آر بچن کو "۶۴ روسی کویتائیں" (۶۴ روسی نظموں کا ہندی میں ترجمہ) کے لیے۔

۳۔ شری سریندر موہن داس کو "یدھ اور شانتی" (جنگ اور امن مصنفہ لیو تالستائی) کا آسامی زبان میں ترجمہ کے لیے۔

۴۔ شری سدھانت بھارتی کو طویل نظم "سوویت گیتانجلی" (سوویت دوستی کے گیت) کے لیے

۵۔ شری کرشن چندر کو سوویت زندگی کے بارے میں مختصر ناول اور انسان دوستی و عالمی امن کے موضوعات پر تخلیقات کے لیے۔

ضمنی انعامات (۱۰۰۰ روپے)

(۱) شری ایس بی سرکار (بنگالی)، (۲) شریمتی رضیہ سجاد ظہیر (اردو)
(۳) شریمتی سندری اتم چندانی (سندھی)، (۴) سردار گوربخش سنگھ (پنجابی)
(۵) شری اننت پٹنائک (اڑیہ)، (۶) شری کے پی جارج اور شری [illegible] (ملیالم)
(۷) شری ودیا دھر پنڈلیک (مراٹھی)، (۸) شری [illegible] (گجراتی)
(۹) شری [illegible] (اردو)، (۱۰) شری کے سی ایس [illegible] (تامل)

صحافتی انعامات (۲۵۰۰ روپے)

(۱) شری [illegible] (۲) شری [illegible]
(۳) شری [illegible]

ضمنی انعامات (۸۰۰ روپے)

(۱) شریمتی [illegible] (بنگالی)، (۲) ڈاکٹر [illegible] (آسامی)
(۳) ڈاکٹر [illegible] (اڑیہ)، (۴) شری [illegible] (ہندی)
(۵) شری [illegible] (گجراتی)، (۶) ایم ایس [illegible] اور مسز ایم [illegible]
(مراٹھی)، (۷) شری [illegible] (۸) شری [illegible] (۹) [illegible]
(ہندی)، (۱۰) مسز [illegible]

بچوں کے لیے "سوویت یونین کے متعلق کیا جانتے ہو" کے مقابلے میں بحیرہ اسود کے کنارے آرٹک کے کسی پانیروں کے کیمپ میں ایک مہینے کی چھٹی گزارنے کے لیے پانچ بچوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔

وصی الحسن

چکبست کے مرثیے

عموماً جب ہمارے سامنے مرثیہ کا نام آتا ہے تو ہمارا ذہن شہدائے کربلا پر لکھی ہوئی غم میں ڈوبی ہوئی ان نظموں کی طرف مڑ جاتا ہے جن میں ان کے کردار اور ان کے کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہو اور پس منظر سے ان کی شخصیت اس طرح ابھاری گئی ہو کہ نہ صرف ان کی عظمت کے نقوش واضح ہو جائیں بلکہ اس دردناک ماحول میں ان کی شہادت پر آنکھوں سے آنسو بھی چھلک پڑیں۔ حالانکہ ان نظموں کے علاوہ مرثیہ یا نوحہ ہر اس نظم کو کہا جاتا ہے جو کسی کے انتقال کے سلسلہ میں لکھی جائے اور جس میں مرنے والے کے اوصاف بیان کیے جائیں، ساتھ ہی ساتھ مرنے والے پر اظہار غم بھی کیا جائے۔ غالب کا مرثیۂ عارف، اقبال کا مرثیۂ داغ اور مولانا اسمٰعیل کا مرثیۂ حالی اور اسی قسم کے اور بہت سے مرثیے اسی قسم کی نظمیں ہیں۔

جہاں تک چکبست کے مرثیوں کا تعلق ہے ان کی صبح وطن میں دو طرح کے مرثیے نظر آتے ہیں۔ ایک وہ جو انھوں نے اپنے عزیزوں کے انتقال پر لکھے اور دوسرے وہ جن میں انھوں نے رہنمایان ملک و قوم کے اٹھ جانے پر ماتم کیا۔ کل مرثیوں کی تعداد آٹھ ہے ایک نظم اس سلسلہ میں اور ہے جو گنگا پرشاد ورما کے انتقال کے بعد ان کی یاد میں قائم شدہ لائبریری کی افتتاح کے موقع پر لکھی گئی ہے اور جس میں انھوں نے ورما کی شخصیت کے نقوش ابھارے ہیں۔

عزیزوں کے مرثیوں میں نسبتاً زیادہ درد، زیادہ کسک اور زیادہ اثر ہے کیونکہ ان کے انتقال پر چکبست کے دل پر براہ راست چوٹیں پڑی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان کی داخلی دنیا کے طوفان انگیز واردات کا آئینہ بن گئے ہیں اور ان میں ان کا غم زدہ دل آج بھی دھڑکتا ہوا سنائی دیتا ہے۔

یوں تو نوجوان کی موت کسی گھر پہ قیامت ڈھانے سے کیا کم ہے لیکن بہت سے ایسے نوجوان ہوتے ہیں جو اپنی غیر معمولی ذہانت اور چونکا دینے والے خیالات سے اپنے معتقدین کی آنکھوں کے تارے بنے رہتے ہیں۔ سارا گھر ان پر جان چھڑکتا ہے۔ اب اس طرح کا کوئی نوجوان دنیا سے اٹھ جائے تو اس سے تعلق رکھنے والوں پہ کیا گزرے گی اس کا اندازہ کرنا ہو تو چکبست کا نشتر یاس یا ماتم یاس دیکھیے جن میں انھوں نے جذبات نگاری کا کمال دکھایا ہے۔ انھیں پڑھنے سے پتھر کو دل رکھنے والا بھی آنسو بہانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

دعائیں دیتے تھے جو گود میں کھلا کے مجھے
اسی میں آج سلایا کفن پنہا کے مجھے
[illegible] میں لا کے مجھے   خموش بیٹھے ہیں اب خاک میں ملا کے مجھے

دعا کا غم نہ دوا کی ہے جستجو باقی
جو دل میں ہے تو ہے مرنے کی آرزو باقی

جو دل کو توڑ دے وہ ماتم شباب ہے یہ
جو اپنی جان پہ رہتا ہے وہ عذاب ہے یہ
جو عمر بھر رہے وہ بیکسی کا خواب ہے یہ
کسی غریب کی ہستی کا انقلاب ہے یہ
جو دل میں درد محبت تھا آج داغ ہوا
چتا کی آگ سے روشن یہی چراغ ہوا

ماں کی بے لوث محبت اپنے لال کے اٹھ جانے پر خون کے آنسو روتی ہے۔ سچ پوچھیے تو اس کے درد اور اس کے غم کا اندازہ کسی کو کما حقہ ہو ہی نہیں سکتا، لیکن چکبست اس کے دل کی گہرائیوں میں بھی اترتے ہیں اور غم کا وہ جوالا مکھی جو پھٹ چکا ہے چکبست کی زبان اسے یوں ادا کرتی ہے۔

اے جوانی کے مسافر! اے اجل کے میہماں!
سو گیا تو سنتے سنتے زندگی کی داستاں
تھک کے نیند آئی ہے ہوتا ہے یہ چہرے سے عیاں
نیم باز آنکھوں میں ہے کیفیت خواب گراں
کار دنیا سے کوئی یوں بے خبر ہوتا نہیں
رات بھر جاگا ہو اور یوں بھی کوئی سوتا نہیں
صبح کا تارا ابھی چمکا ہو گیا دن آشکار
تیرے چہرے سے سرکی نہ چادر زرنگار
دیکھ لے اٹھ کے ذرا اپنی جوانی کی بہار
سن تو کیا کہتی ہے ماں شانہ ہلا کے بار بار
لیکن ہر گز نہیں تیرے سلانے کے لیے
لائی ہوں خلعت تجھے دولھا بنانے کے لیے
ماں کو رونا ہے کہ جاتا ہے تو جا مل کر گلے
بھائی کہتا ہے رہوں گا کس کی چھاتی کے تلے
کہتی ہیں بہنیں کہاں منہ موڑ کے بھائی چلے
دھیان کچھ اس کا بھی ہے جس کی دنیا تم سے ہے
کچھ سہارا چاہیے دل محن کے واسطے
بھائی کی ڈھارس بڑی شے ہے بہن کے واسطے

ان ذاتی مرثیوں کے علاوہ رہنمایان ملک و قوم پر لکھے ہوئے مرثیوں میں چکبست نے اس کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے کہ ان کی شخصیت پر اس انداز سے روشنی ڈالی جائے کہ ان کی شخصیت کے سارے پہلو روشن ہو جائیں اور اس طرح ان کی اہمیت کا اظہار بھی ہو جائے اس ماحول اور ان فضاؤں کی مکمل تصویر بھی سامنے آ جائے جن میں وہ سانس لے رہے تھے۔

جنگ آزادی میں گوپال کرشن گوکھلے کی ذات محتاج تعارف نہ

نہیں ہے۔ ہندوستان کی ترقی کی خاطر انھوں نے کیا کچھ نہیں کیا، دیس کے رہنے والوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے وہ ہمیشہ لڑتے رہے۔ ان کا مشن ہی یہی تھا کہ وہ دیس کو بامِ ترقی پر پہنچا دیں۔ حالات سازگار نہ تھے لیکن وہ حالات سے ٹکر لیتے رہے، حکومتِ برطانیہ کے خلاف ان کی آواز بلند ہوتی ہی رہی:

بڑھی ہوئی تھی نحوست زوالِ پیہم کی
ترے ظہور سے تقدیر قوم کی چمکی
نگاہِ یاس تھی ہندوستاں پہ عالم کی
عجیب شے تھی مگر روشنی ترے دم کی
تجھی کو ملک میں روشن دماغ سمجھے تھے
تجھے غریب کے گھر کا چراغ سمجھے تھے
وطن کو تو نے سنوارا کس آب و تاب کے ساتھ
سحر کا نور بڑھے جیسے آفتاب کے ساتھ
چمن رفاہ کے گل حسنِ انتخاب کے ساتھ
شباب قوم کا چمکا ترے شباب کے ساتھ
جو آج نشو و نما کا نیا زمانہ ہے
یہ انقلاب تری عمر کا فسانہ ہے
رہا مزاج میں سودائے قوم خو ہو کر
وطن کا عشق رہا دل کی آرزو ہو کر
بدن میں جان رہی وقفِ آبرو ہو کر
رگوں میں جوشِ محبت رہا لہو ہو کر
خدا کے حکم سے جب آب و گل جدا تیرا
کسی شہید کی مٹی سے دل بنا تیرا

لیکن موت کے آگے کس کا زور چلتا ہے۔ وہ جنونِ عشقِ وطن اب کفن اوڑھے ہے وہ ہی نہیں ایک دوسرے عاشقِ وطن کو بھی جب چکبست موت کی میٹھی نیند سوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کے صبر و ضبط کا دامن تار تار ہو جاتا ہے — وہ کون؟ وہ بال گنگا دھر تلک جو حکومتِ برطانیہ کا جانی دشمن تھا جس کے اقوال بھی اور رہنمایانِ قوم کی طرح ہمیشہ عمل کے سانچے میں ڈھلتے رہے جو بلا تفریقِ مذہب و ملت لوگوں کا ہمدرد تھا اور جو اپنی زندگی کا مقصد دوسروں کو جینے کے لیے آسانیاں فراہم کرنا ہی سمجھتا تھا۔ چکبست نوحہ زن ہیں —

موت نے رات کے پردے میں کیا کیسا وار
روشنی صبحِ وطن کی ہے کہ ماتم کا غبار
معرکہ سرد ہے سویا ہے وطن کا سردار
طنطنۂ شیر کا باقی نہیں سونی ہے کچھار
بیکسی چھائی ہے تقدیر پھری جاتی ہے
قوم کے ہاتھ سے تلوار گری جاتی ہے
اٹھ گیا دولتِ ناموسِ وطن کا وارث
قوم مرحوم کے اجڑے ہوئے گلشن کا وارث
جاں نثارِ ازلی شیرِ دکن کا وارث
پیشواؤں کے گرجتے ہوئے رن کا وارث
تھی سمائی ہوئی پونا کی بہار آنکھوں میں
آخری دور کا باقی تھا خمار آنکھوں میں
تھا نگہبانِ وطن دبدبۂ عام ترا
نہ ڈگیں پاؤں یہ تھا قوم کو پیغام ترا
دل رقیبوں کے لرزتے تھے یہ تھا کام ترا
نیند سے چونک پڑے سن جو لیا نام ترا
یاد کرکے تجھے مظلومِ وطن روئیں گے
بندۂ رسمِ جفا چین سے اب سوئیں گے

غرضکہ ان دونوں قسم کے مرثیوں کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چکبست مرنے والے کی جگہ خالی ہونے پر صرف جذباتی نہیں ہوتے ان کی مخصوص ناقدانہ نظر اس حال میں بھی واقعات کا تجزیہ کرتی رہتی ہے۔ یہ جذباتی و تنقیدی نظر ایک ہی وقت میں الجھتی ہے اور اپنے مخصوص اندازِ بیان سے وہ واقعہ کو مصور کرتے ہیں۔ ان کے مرثیوں کا یہ اندازِ بیان انیس کی یاد دلاتا ہے۔ علامہ نیاز فتح پوری نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ اگر ان کے مرثیوں کے بند کو مناسب موقع پر انیس کے کسی مرثیہ میں ملا دیا جائے تو قاری کو ان کے تمیز کرنے میں دشواری ہوگی۔ اس سے یہ مطلب نہ نکالنا چاہیے کہ چکبست نقال تھے ان کا اپنا کوئی رنگ نہ تھا، اپنا اندازِ بیان نہ تھا۔ الگ الگ ہر فن کار پیرے نزدیک ابتدا میں بڑے فن کاروں سے روشنی حاصل کرتا ہے اور اس طرح چراغ سے چراغ جلتا ہے اور آخر میں ایک ایسی بھی منزل آتی ہے جہاں اس کا اپنا ایک رنگ بنتا ہے اس کا اپنا ایک اندازِ بیان ڈھلتا ہے۔ آپ کو ہر ادب میں اس طرح کی مثالیں دیکھنے کو ملیں گی۔ چنانچہ چکبست کے یہاں بھی یہ بات نظر آتی ہے۔ ان کی جانفشانی، ان کی محنت اور ان کی لگن نے آخر انھیں ایک مخصوص طرزِ نگارش دے ہی دیا۔ پروفیسر آل احمد صاحب سرور لکھتے ہیں: "...... ان کے کلام میں رنگینی و درد ہے، صدقِ جذبات اور سوز و گداز نے کلام میں تاثیر پیدا کی ہے اور روانی و صفائی نے اسے دلنشیں بنایا ہے۔ اس میں گہرائی ضرور کم ہے اور چونکہ وقتی مسائل سے زیادہ بحث ہے اس لیے اس کی اہمیت کو صدمہ پہنچتا ہے۔"

مراسلات

غالب سے منسوب ایک شعر کے بارے میں

دل آپ کا کہ دل میں جو کچھ ہے سب آپ کا
دل لیجئے مگر مرے ارماں نکال کے

غالب سے اس شعر کے انتساب خصوصاً دیوان غالب نسخۂ عرشی میں اس کی شمولیت پر مجھے بڑی حیرت تھی۔ اچھا ہوا کہ مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی نے خود ہی ۲۲ر اگست ۱۹۶۶ء کے "ہماری زبان" میں صحیح کیفیت پیش کر دی۔ جیسا کہ مولانا نے تحریر فرمایا ہے حسرت موہانی نے شرح دیوان غالب میں اس شعر کو امیر مینائی سے منسوب کیا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں بنیادی اور فیصلہ کن مطبوعہ ماخذ پیام یار لکھنؤ بابت اکتوبر ۱۸۹۰ء ہے جس میں امیر مینائی کی پوری غزل شایع ہوئی تھی۔ یہ غزل "پیام یار" کی اس طرح میں کہی گئی تھی۔

نکلے شب وصال بھی پہلو ملال کے

امیر کی غزل میں پچیس شعر ہیں جن میں سے دو مطلعے ہیں چند شعر حسب ذیل ہیں۔

نازک بہت ہیں ہونٹ مرے نونہال کے
ساقی پلائے پھول تو کانٹ نکال کے
مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کے
وحشت اجل سے عشق میں کلبہ اڑیاں رہیں
سر رکھ دیا ہے دار پہ ہم نے اچھال کے
راہ فنا نہ گرم رووں سے بھی طے ہوئی
شعلے بھی رہ گئے ہیں زبانیں نکال کے
میرے تمہارے بیچ میں آتا ہے بار بار
کمبخت پاؤں بھی نہیں تھکتے ملال کے
یہ ناتوان ہو کے بیک ہو گئے امیر
ہم ساتھ ساتھ پھرتے ہیں اپنے خیال کے

یوں تو امیر کے رنگ میں اس غزل کے بعض دوسرے اشعار بھی اچھے ہیں لیکن اوپر کے تیسرے شعر کا جواب اردو غزل کے بہترین اشعار ہی میں مل سکتا ہے۔

امیر مینائی کی وفات کے بعد ان کی مختصر سوانح عمری یادگار امیر مینائی مولفہ بیکس تھانوی میں یہ غزل بطور دو غزلہ بھی شائع ہوئی۔

(ڈاکٹر ابو محمد سحر اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو حمیدیہ کالج بھوپال)

محمود نامہ

"ہماری زبان" کی ۲۲ر نومبر ۱۹۶۴ء، ۲۲ر اکتوبر ۱۹۶۵ء اور ۲۲ر دسمبر ۱۹۶۵ء کی اشاعتوں میں غالب کا ایک شاگرد محمد حسین محمود اور محمود نامہ (فارسی) کے عنوان سے ڈاکٹر محمود الہٰی، کاشف الہاشمی اوجینی اور رجبان گر جوہر کے مضامین اشاعت پذیر ہوئے ہیں۔ فاضل مضمون نگاروں نے محمود کی تصانیف پر روشنی ڈالی ہے۔ محترمی ڈاکٹر صاحب نے محمود نامہ (اردو) پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے منتخب اشعار پیش کئے ہیں اور محترمی کاشف الہاشمی نے محمود نامہ (فارسی) سے متعلق اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں اور اس کے مختصر سے تعارف کے بعد انتخاب اشعار دیا ہے۔ جناب کاشف نے محمود نامہ کی ایک مکمل غزل بھی دی ہے، جس کا مطلع ہے ؎

اے داغ بر دل از غم خالِ تو لالہ را
شرمندہ ساخت آہوئے چشمت غزالہ را

محمود نامہ (فارسی) میری نظروں سے نہیں گذرا اس لیے اس سے متعلق میں تفصیلی اظہار خیال نہیں کرنا چاہتا، لیکن میں یہاں مختصراً اس باب میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

"نگار" مارچ ۶۲ء کی اشاعت میں باب الاستفسار کے تحت سید فضل الٰہی صاحب، برہان پور کے ایک استفسار کے جواب میں حضرت علامہ نیاز فتحپوری مرحوم نے محمود و ایاز کی محبت کا راز کے عنوان سے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا اقتباس ذیل میں درج ہے اس سے محمود نامہ فارسی پر ہلکی سی روشنی پڑتی ہے۔

"اب تو خیر زمانہ ہی بدل گیا ہے لیکن میرے اوائل عمر میں جب لڑکوں کو سب سے پہلے فارسی کی تعلیم دی جاتی تھی وہ زیادہ تر ادب اور تخیلی لٹریچر سے تعلق رکھتی تھی اور اس نوع کے لٹریچر میں شعراء فارسی کا کلام بھی سامنے آتا تھا۔

چنانچہ جب میری فارسی تعلیم شروع ہوئی تو مجھے اسی منزل سے گزرنا پڑا اور اس دوران میں محمود نامہ بھی میری نگاہ سے گذرا مجھے خیال ہے کہ اس وقت میرے کسی استاد نے غالباً یہ بھی مجھ سے کہا تھا کہ محمود نامہ ان غزلوں کا مجموعہ ہے جو محمود نے ایاز کی محبت میں کہی تھیں اس دیوان کا پہلا شعر:

اے داغ بر دل از غم خالِ تو لالہ را
شرمندہ ساخت آہوئے چشمت غزالہ را

مجھے یاد ہے اور اسی ذہنی تصور کے ساتھ یاد ہے کہ اس شعر کا مخاطب ایاز ہے۔"

("نگار" مارچ ۶۲ء باب الاستفسار صفحہ ۴۲)

حضرت نیاز مرحوم کی تحریر کے مندرجہ بالا اقتباس سے محمود نامہ فارسی پر ہلکی روشنی پڑتی ہے۔ نیاز مرحوم نے جو روشنی محمود نامہ پر ڈالی ہے وہ ضمناً ڈالی ہے اس لیے محمود نامہ کے متعلق اس اقتباس کی روشنی میں کوئی قطعی بات کہنی مشکل ہے پھر بھی یہ بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت نیاز نے جس محمود نامہ کا ذکر کیا ہے وہ وہی ہے جس کا تذکرہ جناب کاشف نے اپنے مضمون (ہماری زبان ۲۲ر اکتوبر ۶۵ء) میں کیا ہے۔

ویسے جناب ڈاکٹر محمود الٰہی نے جو انتخاب محمود نامہ اردو اور جناب کاشف نے محمود نامہ فارسی کا جو انتخاب دیا ہے ان دونوں کے اسالیب و انداز بیان میں یکسانیت ضرور پائی جاتی ہے اور اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کی تصانیف ہیں لیکن نیاز مرحوم کی مندرجہ تحریر سے اس خیال کی تردید ہو جاتی ہے۔ امید ہے کہ رہنمایان و نکتہ دانانِ ادب عقدہ کشائی و رہنمائی فرمائیں گے۔

(محمد عثمان انشاء ندیم)

مصحفی کا سال ولادت

شیخ غلام ہمدانی مصحفی اردو کے ممتاز شاعر اور تذکرہ نویس ہوئے انھوں نے اردو شاعری کے کئی دور دیکھے تھے چنانچہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے لکھا ہے

"عمر بسیار یافتہ ابتدایش ابتدائی درد و سودا بود" (گلشن بیخار ص ۲۳۱)

ان کی ولادت کے سال کی جستجو میں حنیف نقوی صاحب نے بڑی کاوش کی اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ

"اندازہ ہے کہ وہ جمادی الثانی ۱۱۶۰ھ کے دوسرے ہفتے اور مارچ ۱۷۴۷ء کے عشرۂ اول میں پیدا ہوئے ہوں گے" (نگار پاکستان مئی ۱۹۶۶ء)

مصحفی کا انتقال ۱۲۴۰ھ میں ہوا گویا بوقت وفات ان کی عمر اسّی برس کے قریب ہوگی۔ ریاض الفصحاء میں مصحفی نے خود اپنی عمر قریب بہ ہشتاد لکھی ہے جو ۱۲۳۶ھ میں مکمل ہو گیا تھا اس کا مطلب یقینی طور پر یہ ہے کہ گویا بوقت وفات وہ اسی برس کے ہو گئے تھے دس سال کے اس فرق کی طرف موصوف نے خیال نہ کیا اس کے علاوہ بھی اس سلسلہ میں ایک قباحت تھی اسے محسوس کرتے ہوئے حنیف نقوی صاحب رقمطراز ہیں

"ہمارا خیال ہے کہ ۱۲۴۰ھ، ۱۲۳۳ھ کی اور قریب بہ ہشتاد قریب بہ ہفتاد کی تصحیف ہے اگر کتابت کی ان غلطیوں کو جو کچھ خارج از امکان نہیں قبول کر لیا جائے تو دیوان ششم کی ترتیب کے وقت ان کی عمر یقیناً ساٹھ سے متجاوز و پنجشنبہ سال ... رہی ہوگی۔"

امکان کے لیے دلیل یہ پیش کرتے ہیں۔

"۱۲۴۰ھ میں مرنے سے تین سال قبل حکیم قدرت اللہ قاسم پورے وثوق کے ساتھ ان کے تین اردو دیوانوں کا ذکر کرتے ہیں اور تین سال کے مختصر عرصے میں مزید تین دیوانوں کا مرتب ہو جانا بظاہر بعید از قیاس ہے۔ ۱۲۴۰ھ کی بجائے ۱۲۳۳ھ میں دیوان کی ترتیب کے متعلق ہمارے قیاس کی تائید کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ مصحفی کا کل شعری سرمایہ سات دیوانوں پر مشتمل ہے۔ ایسی صورت میں یہ بات بہت عجیب ہوگی کہ تین سال کے عرصے میں تین دیوان مرتب ہو گئے لیکن سولہ سال کی شعری کاوشیں ایک دیوان سے زیادہ کی متحمل نہ ہو سکیں۔"

مذکورہ قرینوں کے "وثوق" کا حال خود حنیف صاحب سے بھی پوشیدہ نہیں نواب شیفتہ نے مصحفی کے انتقال کے بعد لکھا ہے "شش دیوان ریختہ ... ہم دارد" حالانکہ قدمات بھی مصحفی کے انتقال کے دس سال بعد تک بھی شیفتہ اس کے ساتویں دیوان سے لاعلم ہی رہے قاسم کا بھی یہی حال تھا ورنہ مصحفی کے دیوان ششم کا چرچا ۱۲۳۳ھ سے قبل ہی لکھنؤ میں تھا احمد علی یکتا کے الفاظ یہ ہیں

"تحریر ہذا کہ شش دیوان در سلک نظم کشیدہ" (دستور الفصاحت ص ۹۳)

یقینی طور پر چھٹا دیوان ۱۲۲۹ھ سے قبل ہی مکمل ہو چکا تھا چنانچہ ریاض الفصحاء دیباچہ دیوان ششم و ذخیرہ میں تصحیف کا خیال بھی یقینی طور پر خارج از بحث ہے۔

تحقیق میں قیاس کو دخل نہیں ہونا چاہیے واقعات کو اس طرح مستحکم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ ان میں کسی طرح کا تصرف نہ ہو البتہ انسانی فطرت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے اس کا بھی پورا پورا لحاظ ہو لیکن محض اپنے کسی خیال کو صحیح ثابت کرنے کے لیے واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا یا اپنے زور تخیل سے نئے نئے قرائن پیش کر دینا اکثر غلط نتائج تک پہنچاتا ہے اور تحقیق میں ایسی باتوں سے فائدہ کم ہوتا ہے۔

مصحفی نے اپنے حالات میں اس کی صراحت کی ہے کہ "تولدش در عہد احمد شاہی است" اور احمد شاہ بادشاہ دہلی کا زمانہ ۱۱۶۱ھ سے ۱۱۶۷ھ تک کا ہے دیوان ششم مرتبہ ۱۲۲۲ھ میں وہ اپنی عمر ساٹھ سال سے متجاوز بتاتے ہیں گویا سال ولادت قبل ۱۱۶۲ھ ہوا۔ ریاض الفصحاء (تکمیل ۱۲۳۶ھ) میں عمر قریب بہ ہشتاد سال لکھی ہے یعنی ۱۱۵۶ھ کے بعد پیدا ہوئے اس وقت بڑھاپے کا تھا ایک آدھ سال کا مبالغہ بھی بعید از قیاس نہیں تھا ان دونوں کو مطابق کریں تو ان کی ولادت ۱۱۶۱ھ میں معلوم ہوتی ہے اس میں حنیف نقوی کو جو قباحت محسوس ہوئی یہ ہے۔

"مجمع الفوائد کی روایت پر اس کا انطباق نہیں ہوتا کیونکہ ... مجمع الفوائد کی تصنیف کے وقت ستر سال کی قریب رہی ہوگی۔"

مجمع الفوائد کی روایت یہ ہے

"تیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ گزرا کہ لکھنؤ میں مقیم ہوں اور اس وقت میری عمر ساٹھ سے متجاوز ہے۔"

دقت دراصل یہ پیش آئی کہ موصوف نے مصحفی کی لکھنؤ میں آمد ۱۱۹۸ھ میں خیال کی۔ یہ صحیح ہے کہ اس سال بھی مصحفی لکھنؤ گئے تھے لیکن لکھنؤ کا پہلا سفر انھوں نے ۱۱۹۰ھ میں اختیار کیا تھا (دستور الفصاحت صفحہ ۹۸)

اور زیادہ امکان اس کا ہے کہ انھوں نے اسی وقت سے لکھنؤ میں اپنا قیام کی مدت شمار کی ہو یوں مجمع الفوائد ۱۲۱۵ھ کے بعد لکھی گئی اگر یہ واقعہ ۱۲۲۲ھ کے کچھ بعد کا بھی ہو تو ۱۱۶۱ھ کو مصحفی کا سال ولادت تسلیم کرنے میں قباحت واقع نہیں ہوتی۔

امیر احمد علوی نے بھی ۱۱۶۱ھ ہی کو مصحفی کا سال ولادت قرار دیا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صابر علی خاں نے بغیر کسی حوالے کے ۱۱۶۰ھ میں مصحفی کی ولادت لکھی ہے (سعادت یار خاں رنگین ص ۳۰۳) لیکن یہ سنہ بھی مصحفی کے مختلف بیانات کے مطابق نہیں۔

محمد انصار اللہ نظر

---

[1] ہماری زبان ۲۲ر نومبر ۱۹۶۶ء

[2] مولانا امتیاز علی عرشی صاحب کی تحقیق کے بموجب قاسم کا تذکرہ ۱۲۲۰ یا ۱۲۲۱ھ میں شروع ہوا تھا (دستور الفصاحت، مقدمہ ص ۸۹) اگر ۱۲۲۱ھ میں قاسم مصحفی کے ساتویں دیوان سے لاعلم تھا تو اس کی تحریر اس سال سے پہلے کی بھی جا سکتی ہے۔

[1] مولانا امتیاز علی عرشی صاحب کی تحقیق کے مطابق یکتا کا تذکرہ ۱۲۲۹ یا ۱۲۳۰ھ میں مکمل ہو چکا تھا۔

[2] دستور الفصاحت، دیباچہ ص ۳۳

دلی یو۔پی بہار میں اردو کو حقوق دئے جائیں

نئی دلی ۱۳ نومبر۔ انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کے ایک وفد نے آج شام مرکزی وزیر جناب فخرالدین علی احمد سے ملاقات کی اور ان کے وفد نے جس میں انجمن ترقی اردو دلی کی نائب صدر بیگم انیس قدوائی اور جنرل سکریٹری بیگم حمیدہ سلطان اور جوائنٹ سکریٹری جناب بہار برنی شامل تھے وفد نے اس مطالبہ نامہ کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا کہ صدر انجمن کی طرف سے دلی یو۔پی بہار کے لیے اردو کے مطالبات کے سلسلہ میں کل ہند انجمن کے صدر پنڈت ہردے ناتھ کنزرو اور دلی اسٹیٹ کے صدر پنڈت سندر لال نے پیش کیا تھا۔ اس میں تفصیل کے ساتھ میں بتایا گیا تھا کہ یو پی بہار اور دلی کے ان تینوں علاقوں میں اردو کی حیثیت تسلیم کیے جانے کی صورت میں آئین کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت تعلیم اور دوسرے مختلف مقاصد کے لیے کیا کیا حقوق ملنے چاہئیں۔ ارکان وفد نے زور دیا کہ پرائمری تعلیم کے لیے بچوں کی تعداد کی قید نہ لگائی جائے۔ اگر ایک طالب علم بھی ایسا ہو جس کے والدین نے اس کی مادری زبان اردو لکھائی ہو اس کی تعلیم کا انتظام کیا جائے مذاکرت میں اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ دلی یو پی بہار کو علاقائی زبان مان کر اردو کے سلسلہ میں احکام جاری کیے جائیں تینوں علاقوں میں نفاذ کیا جائے۔ ان علاقوں کے خاص خاص حصوں کے لیے نہیں وفد نے اس ضرورت پر خاص طور سے زور دیا کہ اردو کے حقوق کو تسلیم کیے جانے سے متعلق امور کے اعلان کا پوری پابندی کے ساتھ نفاذ ہو۔ اس مقصد کے لیے نفاذ کمیٹیاں بنائی جانی چاہئیں۔ شکایات کی تحقیقات کا کام افسران کے سپرد نہ کیا جائے۔ بلکہ کمیشن کے ارکان خود جانچ کریں۔ (الجمعیۃ)

ایم اے اور بی اے آنرز کلاس کھولنے کا مطالبہ

بھاگلپور یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے

انجمن ترقی اردو کے وفد کی ملاقات

بھاگلپور۔ انجمن ترقی اردو بھاگلپور کا ایک وفد بھاگلپور یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے جناب آنند موہن سنہا سابق سفیر ہند کی قیادت میں ملا۔ وفد میں شریک ہونے والے حضرات درج ذیل ہیں۔

جناب محمد یونس صاحب صدر انجمن، مولانا مشرف عالم صاحب ندوی جنرل سکریٹری انجمن سی پی سنہا صاحب ایڈوکیٹ آئی۔ ایس باجپا صاحب سکریٹری بورڈ، عبدالمجیب صاحب ایڈوکیٹ مولانا غلام حسین صاحب ایڈوکیٹ جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بھاگلپور جناب منصور صاحب ایڈوکیٹ، مولانا حکیم محمد حسین صاحب مہتمم جامعہ محمدیہ عربیہ شاہ جنگی، محمد معین صاحب جوائنٹ سکریٹری انجمن مدرس مدرسہ شاہ جنگی۔

وفد نے میمورنڈم پیش کرتے ہوئے متعلقہ مسائل پر کھل کر تبادلۂ خیال کیا۔ بالخصوص ایم اے اور بی اے میں اردو آنرز کلاس کھولنے کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ وائس چانسلر صاحب نے وفد کی تمام باتوں کو غور سے سنا اور فرمایا کہ اردو ایک ترقی یافتہ زبان ہے ہماری خواہش ہے کہ اس کی تعلیم کا انتظام ضرور کیا جائے لیکن سردست ہمارے لیے سب سے دشواری فنڈ کی ہے یونیورسٹی کی موجودہ پوزیشن مزید کسی بھی زبان میں تعلیم کے لیے کلاسز قائم کرنے کی مجھ کو اجازت نہیں دیتی ہے البتہ اگر آپ کی کوششوں یا دیگر ذرائع سے گورنمنٹ مجھے فنڈ مہیا کرے گی تو میں کرا دوں گا ایسے کلاسز کے افتتاح پر کسی طرح کا اعتراض نہ ہوگا بلکہ ہماری تمنا کی تکمیل ہوگی۔

آخر میں جب موصوف کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی کہ کم از کم سردست پرائیویٹ امتحان کی اجازت دی جائے تو فرمایا کہ اس سلسلہ میں یونیورسٹی میں کیا دشواریاں ہیں اس کا جائزہ لے کر عنقریب آپ کو میں آگاہ کروں گا۔ اگر ان کو میں دور کر سکا تو ضرور کروں گا ورنہ اس مسئلہ کو کونسل میں لانے کی کوشش کروں گا۔

وفد نے موصوف کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے اپیل کی کہ ہم آپ سے ایسی ہی توقع رکھتے ہیں اور یہ کہ جناب اس مسئلہ پر خصوصی توجہ مبذول فرمائیں گے تاکہ اردو داں طبقہ کی شکایتیں اور پریشانیاں دور ہو جائیں۔

واضح ہو کہ انجمن کی طرف سے آنند موہن سنہا صاحب گورنر صاحب سے مل کر فنڈ کے مسئلہ پر گفتگو فرمائیں گے۔

(دعوت دہلی)

اردو بہار کی علاقائی زبان ہونی چاہیے

جے پرکاش نرائن کا بیان

پٹنہ ۱۱ نومبر۔ سروودے لیڈر شری جے پرکاش نارائن نے کہا کہ تعجب ہے کہ اردو کو اب تک علاقائی زبان کیوں نہیں تسلیم کیا گیا ہے شری نارائن آنجہانی، ڈاکٹر سید انند سنہا کے یوم پیدائش کی تقریب کی صدارتی تقریر کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ اردو ہندوستان کی زبان ہے اور ہندو اور مسلمان کی مشترکہ ساعی سے وجود میں آئی ہے۔ (سنگم)

وزیر اوقاف ہریانہ کا اردو میں حلف لینے پر اصرار

چنڈی گڑھ۔ پنجاب و ہریانہ کے نئے صوبوں کے قیام کے موقع پر دونوں صوبوں کے تمام وزراء اور نائب وزراء نے پنجابی ہندی اور انگریزی میں حلف لیا ہریانہ کے وزیر اوقاف و سول سپلائی گورنمنٹ کے منسٹر آف اسٹیٹ جناب خان عبدالغفار خاں صاحب انبالوی نے اردو میں حلف اٹھایا معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ جب محترم خان صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ انگریزی، ہندی اور پنجابی میں سے کس زبان میں حلف لینا پسند کریں گے تو آپ نے جواب دیا کہ کسی میں بھی نہیں البتہ چیف کے

ساتھ کہا گیا تو پھر؟ خان صاحب نے فرمایا کہ میں مادری زبان اردو میں حلف لوں گا۔ اس پر اردو میں حلف نامہ نہ ہونے کا عذر کیا گیا اور خان صاحب سے درخواست کی گئی کہ آپ تو انگریزی خوب اچھی طرح جانتے ہیں پھر انگریزی ہی میں حلف کیوں نہیں لے لیتے انھوں نے جواب دیا کہ میں اردو کے علاوہ کسی بھی زبان میں حلف نہیں لونگا۔ کیا اردو میرے ملک کی زبان نہیں اور کیا اسے بھارت کے آئین نے تسلیم نہیں کیا؟

اس پر فوری طور پر حلف نامہ کا اردو ترجمہ کرایا گیا جسے بعد میں خان صاحب نے درست کیا اور اس کی اردو معیاری بنائی اور جب حلف لینے کی رسم ادا کی گئی تو گورنر صاحب بہادر ہندی میں الفاظ بولتے تھے اور محترم خان صاحب اردو میں ان کا ترجمہ پڑھتے تھے۔ (الجمعیۃ)

پرائمری کلاسوں کی اردو کتابیں محکمۂ تعلیم خود چھپوائے گا

دہلی ایڈمنسٹریشن کے محکمۂ تعلیم کی طرف سے کتابیں تیار کرانے پر آمادگی

دہلی ۱۰ نومبر۔ دہلی ایڈمنسٹریشن کا محکمۂ تعلیم پرائمری اسکولوں کے لیے سرکاری طور پر نصاب کی اردو کتابیں تیار کرنے اور انھیں چھپوانے کے لیے آمادہ ہو گیا ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس سے قبل محکمۂ تعلیم نے ہندی کی پرائمری کتابیں لاکھوں روپیے کے سرمایہ سے شائع کرائی تھیں اس کے بعد یہ مطالبہ کیا گیا کہ محکمہ اردو نصاب کی پرائمری کتابیں بھی تیار کرے۔ محکمہ نے اس تجویز کو منظور کر لیا ہے اور [illegible] ڈائرکٹری کو یہ ذمہ داری سپرد کی گئی ہے کہ وہ اردو کتابیں تیار کرنے کا تجربہ رکھنے والے افراد کی ایک فہرست محکمۂ تعلیم کو مہیا کریں۔ اس سلسلہ میں ایسے افراد کو ترجیح دی جائے گی جن کا تعلق درس و تدریس سے ہے۔ ایسے اساتذہ اور دوسرے افراد کو ڈائرکٹری صاحب کے پاس اپنے نام بھیج دینے چاہئیں تاکہ محکمۂ تعلیم کے ذمہ داران میں سے کچھ افراد کو منتخب کرکے ان کے ذریعہ پہلی دوسری تیسری اور چوتھی کلاس کی اردو کتابیں تیار کرانے کا کام سپرد کرینگے۔ (الجمعیۃ)

بہار میں اردو کو ثانوی سرکاری زبان تسلیم کیا جائے

بائیں بازو کمیونسٹ پارٹی کی ریاستی کمیٹی کا فیصلہ

پٹنہ ۱۳ نومبر۔ بائیں بازو کمیونسٹ پارٹی کی بہار ریاستی کمیٹی کے سکریٹریٹ کی طرف سے شری ایس۔ ایس۔ شرما اسسٹنٹ سکریٹری بہار ریاستی کمیٹی (بائیں بازو کمیونسٹ پارٹی) کا دستخط شدہ بیان اشاعت کے لیے جاری کیا ہے۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ مذکورہ کمیٹی کی توجہ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ کے اس فیصلہ پر پوری شدت کے ساتھ مبذول کرائی گئی ہے جس میں ۱۳ نومبر کو پورے بہار میں یوم اردو منانے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ ریاستی کمیٹی پوری طرح اس مطالبہ کی حمایت کرتی ہے یہ کہنا نامناسب نہیں ہوگا کہ ہماری پارٹی نے ہمیشہ اردو کو تمام سرکاری عدالتوں تعلیمی اداروں اور سرکاری ملازمتوں میں ثانوی علاقائی زبان کی حیثیت سے تسلیم کیے جانے کی حمایت کی ہے۔

ریاستی کمیٹی پورے بہار میں اپنی تمام شاخوں کو ہدایت کرتی ہے کہ انجمن ترقی اردو کے مطالبوں کے سلسلہ میں کئے گئے تمام جلسوں مظاہروں اور کسی دوسری کارروائی میں پورا پورا تعاون کریں۔ (الجمعیۃ)

اردو پڑھانے سے انکار اور اردو پڑھنے کے خواہاں طلبہ کے ساتھ زیادتی

حکومت اور حکام کے فوری توجہ کرنے کی ضرورت!

ضلع بستی کی تحصیل بانسی میں [illegible] ودیالیہ نامی کھنڈ کھریا میں اردو پڑھنے والے بچوں کی تعداد پچاس فیصدی کے قریب ہے اس سال جولائی میں داخلہ لیتے وقت بچوں نے یہ بھی داخلہ فارم پر لکھا کہ ہم اختیاری زبان میں اردو پڑھنا چاہتے ہیں مگر بچوں کو اردو پڑھانے سے انکار کر دیا گیا اور سنسکرت پڑھنے کا مشورہ دیا گیا مجبوراً وہاں کے کہنے کے مطابق فارم کی خانہ پری بچوں نے کر دی۔ گھر آنے پر ان ورثہ نے اس کی اطلاع پا کر اسکول کے ایک ذمہ دار سے اس سلسلہ میں شکایت کی جواب ملا کہ اگر آپ لوگ اپنے بچوں کو سنسکرت پڑھانا چاہتے ہیں تو پڑھائیے ورنہ دوسرا اسکول دیکھیے اور کوئی صورت نہیں ہے۔ چونکہ آس پاس کوئی نزدیک اسکول نہیں ہے اس لیے مجبوراً سنسکرت بچوں نے پڑھنا شروع کی اور آئینی طور پر کارروائی آگے بڑھائی گئی انسپکٹر آف اسکول صاحب تحقیق کے لیے آئے تو اسکول والوں نے بچوں کو اسکول سے نکالنے کی دھمکی دے کر زبردستی دستخط بنوایا کہ ہم اردو نہیں پڑھنا چاہتے۔

کہا جاتا ہے کہ جن بچوں نے دستخط نہیں کیا تھا ان کو بعد میں مارا پیٹا گیا بعد میں پھر آئینی طور پر متعدد ذمہ داران اعلیٰ کے پاس اپنے مطالبے لے گئے ہیں درخواستیں بھی گئیں مگر آج تک کوئی کارروائی نہیں کی گئی درخواستیں ہیں یکے بعد دیگرے جس کے پاس ابھی تک سب کا ثبوت موجود ہے جن پر سب کے دستخط ہیں۔

مگر افسوس ہوتا ہے کہ آج تک کسی سرکاری افسر کی طرف سے کوئی تحقیق نہیں ہوئی۔ ایک طرف تو وزراء اعلیٰ اور دیگر سرکاری حکام کا یہ اعلان کہ اردو پڑھنے [illegible] تمام سہولتیں حاصل ہیں اور موقع دیا گیا ہے کہ ان کی ساری شکایتیں دور کی جا رہی ہیں تو یہ قول اور فعل میں تضاد آخر کیوں ہے۔ اگر حقیقت میں اردو ملک کی ایک زبان ہے اور اس کا پنپنا اور پھلنا پھولنا حکومت کو پسند ہے اور حکومت چاہتی ہے کہ اردو لوگ پڑھیں تو ایسے لوگوں کو کیوں نہیں معطل کرتی جو اردو دشمنی پر اتر آئے ہیں اور قانون شکنی کرتے رہتے ہیں۔

ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس واقعہ کی تحقیق کی جائے اور اگر یہ بات صحیح ہو تو پھر قصور واروں کو معطل کیا جائے اور بچوں کو اردو پڑھنے کا موقع دیا جائے۔

(سید شیدا حسین سکریٹری انجمن ترقی اردو حلقہ بانسی ضلع بستی)

اردو کو علاقائی زبان تسلیم کیا جائے

نئی دہلی ۔ ۱۶ نومبر ۔ نئے وزیر تعلیم مسٹر فخرالدین علی احمد نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ انھوں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر کے سامنے اردو بولنے والوں کی بھوک ہڑتال ختم کرائی ۔

وزیر موصوف نے ان لوگوں کو یقین دلایا کہ جہاں کافی تعداد میں لوگ اردو بولتے ہیں ان علاقوں میں اردو کو علاقائی زبان تسلیم کیا جائے گا ۔ اس سلسلے میں آئین میں مناسب تبدیلی کرنے پر غور کیا جا رہا ہے ۔

(افکار، بھوپال)

اوجین میں اردو ہائر سکنڈری اسکول کی مانگ

اوجین ۱۲ نومبر ۔ اوجین شہر میں اردو لکھنے پڑھنے والوں کی معقول تعداد ہے یہاں صرف اردو مڈل اسکول ہے جبکہ پڑھنے والوں کی تعداد اور اسٹینڈرڈ کے مطابق ہائر سکنڈری ہونا ضروری ہے اوجین مسلم یوتھ کانگریس اور دیگر اردو دوست جماعتوں نے کلکٹر ضلع سے مانگ کی ہے کہ اوجین میں اردو ہائر سکنڈری اسکول قائم کیا نیز جن اسکولوں میں اردو پڑھنے والے طلبہ کی تعداد کلاسز کے اعتبار سے مناسب ہے وہاں اردو پڑھانے کا معقول انتظام کیا جائے ۔

(الجمعیۃ)

ماہنامہ افکار کراچی کا "نئی تخلیق نمبر"

علامہ شبلی، بابائے اردو مولوی عبدالحق اور مجاز کے پانچ غیر مطبوعہ اور قلمی خطوط مشہور ادبی ماہنامہ افکار کراچی نے حاصل کرکے اپنے "نئی تخلیق نمبر" میں پیش کیے ہیں ۔ ان کے علاوہ اس منفرد نمبر میں برصغیر کے ہم، ممتاز ادیبوں اور شاعروں کی غیر مطبوعہ تخلیقات بھی پیش کی گئی ہیں جن میں دنیا کی قدیم تہذیب کے سلسلے میں سید سبط حسن کا نہایت قیمتی اور دلچسپ مضمون "غار التیرہ کا نگار خانہ" شامل ہے جسے نادر تصاویر کے ساتھ فوٹو آفسٹ پر شایع کیا گیا ہے

(مدیر افکار)

ایک لاکھ روپے انعام پانے والا ملیالم کا شاعر

نئی دہلی ۔ ملیالم کے ایک شاعر جی سنکرا کروپ نے ہندوستان کا سب سے بڑا ادبی انعام حاصل کیا ہے ۔ جو ایک لاکھ روپے کی مالیت کا ہے ۔ یہ انعام انھیں نظموں کے ایک مجموعے کے سلسلے میں ملا ہے ۔

۱۹ نومبر کو ایک تقریب میں یہ انعام انھیں دیا گیا ۔ یہ انعام بھارتیہ گیان پیٹھ کے ٹرسٹ کی طرف سے دیا گیا ۔ جو ہندوستانی ادب کی حوصلہ افزائی کرتا ہے

جی سنکرا کروپ پہلے شاعر ہیں جنھیں یہ انعام ملا ۔ انھیں علم کی دیوی کی ایک مورتی بھی دی گئی

راجستھان کے گورنر ڈاکٹر سمپورنانند نے یہ انعام اپنے ہاتھ سے دیا جو گیان پیٹھ کے چیرمین ہیں ۔

نظموں کے مجموعے کا ترجمہ ہندی میں بھی ہو چکا ہے ۔

تین مسافر

جس کو پہلی مرتبہ ڈاکٹر قطب سرشار ہاشمی پیش کر رہی ہیں ۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جو تین سفرنامہ پر مبنی ہے اور شایع ہو رہی ہے ۔ یہ کتاب ڈی کے پتہ پر دستیاب ہوگی :- شعبہ نشر و اشاعت ۔ وی جسٹ اسکول مسرت محل باغ دارالشفا حیدرآباد ۲ (اے ۔ پی)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیرالدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسین نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا